وجودہ صدی عالم اسلام کی صدی

کلیم الحسن بابر ۔ صفدر آباد

دنیا اس وقت جس معاشی بحران سے گذر رہی
صوصاً ہمارا پیارا وطن پاکستان اس کی اصل وجہ صرف یہ
کہ گذشتہ چار پانچ صدیوں سے ہم مسلمانوں نے اپنے
ب کو چھوڑ کر غیر حقیقی معبودوں کی طرف رجوع کر لیا ہے
صداقت اسی وقت فتح مند ہوتی ہے جب وہ فکر و خیال
عالم سے نکل کر عالمِ مادی میں مجسم ہونی شروع ہوتی
اور اخلاقی کمزوریاں ہر عروج یافتہ تمدن کی مادی
رانیوں اور خارجی فتوحات کا نقشہ چاک کر ڈالتی ہیں۔
جودہ زمانے میں اگر مذہب کو ایک موثر طاقت بنانا ہے تو
ف اجتماعی تنظیم ہی صحیح طریقہ کار ہے شرط صرف یہ ہے
یہ تنظیم صرف مذہبی و اخلاقی بنیادوں پر کام کرتی ہو اور
میں تمام مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر صرف اور
ف مذہبی روح کام کر رہی ہو بقول علامہ:

یک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

جبکہ موجودہ نظامِ زندگی میں جو اقتصادی اور
شی اصول کارفرما ہیں اس نظام نے عام لوگوں کی زندگی
قدر پست کر دی ہے اور ان کو افلاس و غربت سے اس
ر دوچار کر دیا ہے کہ عام لوگوں کی ذہنی سوچ صرف اور
ف روٹی کپڑے تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ ملک
کرپشن، رشوت، لوٹ مار، چور بازاری اور لاقانونیت
یہی وجہ ہے مگر جب تک بھوکوں اور ننگوں کے لئے
کھانے اور کپڑے کا انتظام نہیں ہو جاتا اس وقت تک مذہب و اخلاق کی دعوت ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی مگر اس کے باوجود آج بھی مسلمان اشتراکیت کے گروپ میں گھرا مجبور نظر آتا ہے۔ کیونکہ اس کو اپنی مادی فلاح اسی تحریک سے وابستہ نظر آتی ہے اس لئے وہ سمجھتا ہے کہ مذہب و اخلاق کے پاس اس کی مادی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کا کوئی سامان نہ ہے۔ پوری دنیا میں برپا ہونے والا کشت و خون اور تخریب کاری اور کرپشن کا وہ طوفان بدتمیزی دراصل ایک عالم گیر اسلامی انقلاب کی آمد کا پیش خیمہ ہے

یہی وقت ہے کہ ہم مسلمان اپنی حالت کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ آیا ہمارے موجودہ مذہبی تصورات آنے والے طرزِ زندگی کو اپنے قالب میں ڈھال سکیں گے کیونکہ مذہب کے بارے میں ہمارا موجودہ تصور صرف یہ ہے کہ وہ انفرادی اعمال کی اصلاح اور شخصی نجات کے حصول کا ایک ذریعہ ہے مذہب سے جو کچھ محبت مسلمانوں میں باقی رہ گئی ہے وہ صرف حفاظت اور بقاء کی خواہش تک محدود ہے۔

کیونکہ جو شخص کسی برائی پر صبر کر لیتا ہے مگر دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا وہ درحقیقت ایک ایسی فضا تیار کرنے میں مدد دے رہا ہے جس میں زندگی بسر کرنے کے بعد اس کی آئندہ نسل بمشکل ایمان و نجات کی سعادتوں سے بہرہ مند ہو سکے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں پر مذہبی طور پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ جہاں برائی دیکھیں اسے مٹانے کی کوشش کریں۔ انفرادی زندگی میں ہم روزانہ اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کامیابی اور عزت انہی افراد کو ملتی ہے جو شروع سے ہی کسی اعلیٰ مقصد حیات کا شعور رکھتے ہیں۔ مگر ہم مسلمان عقل و شعور اور ایک عالمگیر مذہب رکھنے اور دنیا کو اخلاقیات کا سبق دینے والے جن کو قرآن مجید کے ذریعے جو کہ ایک لاریب کتاب ہے پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا باقاعدہ سبق اور طریقہ بتایا گیا اور جس کا عملی مظاہرہ عہد نبوت اور اس کے بعد صحابہ کرام کے دورِ حکومت میں کر کے دکھایا گیا مگر افسوس صد افسوس ہم قرآن کو ایک مکمل ضابطہ حیات تسلیم کرنے کے باوجود شیعہ سنی اور دیگر فروعی اختلافات کے چکروں میں پڑ گئے اور ایک لاحاصل اور بے مقصد لڑائی شروع کر دی۔ آئے روز سینکڑوں افراد بے گناہ موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں مگر صدیوں گذرنے کے باوجود ہمارے درمیان کسی ایک بات پر بھی اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔

ہماری اذانوں میں فرق ہماری نمازوں میں فرق اور کہیں تقلید کا مسئلہ آئے روز کے مناظرہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے علما کرام غیر مسلموں کے ساتھ مناظرہ کرنے یا ان کو اصل اور صحیح راستہ دیکھانے کی بجائے جو مسلمان ہو چکے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کا کلمہ پڑھنے والوں کو کافر قرار دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں اگر ان لڑائی جھگڑوں کا نام اسلام ہے تو پھر وہ کونسا اسلام تھا جس کی وجہ سے رسالت مآب ﷺ کو پتھر کھانے پڑے، غاروں میں پناہ لینی پڑی۔ اور اپنی زندگی کے کئی سال حالتِ جنگ میں کبھی بدر و حنین، کبھی تبوک، کبھی خیبر اور کبھی فتح مکہ کی صورت میں گزارنے پڑے مگر موجودہ حالات کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم حالتِ جہالت میں اور قبل از اسلام کی زندگی گزار رہے ہیں جہاں

جانوروں کو پانی پلانے پر جھگڑا تھا تو کہیں اپنے اسلاف کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے پر جھگڑا۔اب بھی عالم اسلام کی حکومتیں ایک دوسرے کے باہم گریبان ہیں جس کی مثال عراق وایران کی جنگ جو کہ بغیر کسی مقصد کے لڑی گئی۔اور ہزاروں جانوں کا نقصان ہوا۔اربوں ڈالر کا اسلحہ چلادیا گیا اسی طرح عراق کویت کی جنگ اور افغانستان کی اندرونی لڑائی کسی اچھی سوچ کا پیش خیمہ نہیں ہے۔دوسری طرف فلسطین، کشمیر، بوسینا وغیرہ کے لاکھوں مسلمان ابھی تک اپنی آزادی اور بقا کے لئے حالتِ جنگ میں ہیں۔چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اپنے مجبور، بے بس محکوم مسلمان بھائیوں کی مدد کرتے اور جو طاقت ہم ایک دوسرے کے خلاف استعمال کررہے ہیں اس سے اپنے ان بھائیوں کی مدد کرتے مگر افسوس کہ ہم اپنے ہی فروعی اختلافات میں کھو گئے اور ہماری سوچ صرف اور صرف اپنی ذات تک محدود ہوکر رہ چکی ہے۔کیونکہ ہم اپنے اصل مشن اور اسلاف کے کارناموں اور ان کے متعین کردہ راستے کو بھول چکے ہیں۔

آج مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی اصلاح کے لئے مختلف پروگرام ہورہے ہیں۔کہیں تنظیم کی پکار ہے تو کہیں اکثریت اور فوجی قیادت کو قومی خرابیوں کا واحد علاج قرار دیا جارہا ہے۔اور کہیں جہاد فی سبیل اللہ کے نعرے ہیں تو کہیں مذہبی تعلیم کا چرچا ہے مگر یہ تمام کوششیں تقریبا سوسال سے جاری ہیں۔

افسوس کہ اس جدوجہد میں جتنی کامیابی ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی۔پاکستان کا قیام جس مقصد کے لئے عمل میں آیا کہ ایک ایسی مملکت جس میں صرف اور صرف قرآن کی بالادستی ہوگی اسلامی قانون ہوگا کوئی کسی کی دولت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے گا امن سکون اور بھائی چارے کی فضا قائم ہوگی مگر یہ تمام باتیں ایک خواب ہوگئی ہیں۔

اس تمام ناکامی کا واحد سبب صرف یہ ہے کہ ہم بحیثیت۔ابھی تک کسی حقیقی مقصد سے آشنا نہیں ہوسکے جب تک کسی قوم یا گروہ میں تخیل پیدا نہ ہوا اس وقت تک حصول مقصد بے کار رہتا ہے کیونکہ ترقی جدوجہد سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ صرف منصوبہ بندی اور کاغذی کاروائی مکمل کر لینے سے۔عہد رسالت کے مسلمانوں کو آج کل کے مسلمانوں سے یہی چیز علیحدہ اور ممتاز کرتی ہے کہ ان میں حقیقی مقصد کی لگن اور ایک واضح نصب العین کا عشق تھا اور وہ ایک عالم گیر تخیل کے داعی تھے اور اس تخیل سے انکی ایسی شدید محبت تھی کہ اس کے لئے کوئی ایسی جانی مالی قربانی نہ تھی جسے انہوں نے گوارا اور برداشت نہ کیا مگر اس کے برعکس آج مذہب کے علمبردار اور اخلاق وروحانیت کے نمائندے انسان کی مادی زندگی اور معاشی تنظیم سے بے خبر تذکیہ نفس کو خانقاہوں میں تلاش کرتے پھر رہے ہیں اور اپنے اسلاف کے کارناموں کو نمایاں کرنے کیلئے یا تو تاریخ نگاری میں مشغول ہیں یا موت کے خوف سے لرزہ اندام ہو کر زندگی کی بے ثباتی سے دنیا کو ڈرا رہے ہیں حالانکہ زندگی پکار رہی ہے کہ میری طرف متوجہ ہو افلاس دعوت سے رہی ہے کہ میری خبر لو۔مگر وہ مذہب کیا ہوا جس نے غریبوں کا حق وصول کرنے کے لئے منکرین زکوۃ سے جہاد کا حکم دیا ایک مظلوم عورت کی فریاد سن کر محمد بن قاسم کو کس چیز نے مجبور کیا کہ سمندروں کا سینہ چیر دے اور وہ کونسی چیز تھی جو شاہ اسماعیل شہید کو بالاکوٹ کے میدانوں تک لے گئی۔ آخر وہ کونسا جذبہ تھا جس نے غازی علم دین شہید کو مجبور کیا کہ وہ تختہ دار پر لٹکنے پر خوش ہو۔

اگر ہم اپنے اصل کی طرف لوٹ جائیں اور دیکھیں گے کہ عہد نبوت میں حضور اکرم ﷺ نے پہلے ا
قوم کو ایک عظیم اور واضح نصب العین اور حقیقی مقصد حیا
سے روشناس کرایا۔جب ان کے دلوں میں صرف
صرف ایک ہی مقصد اجاگر ہوگیا تو پھر ان کو شریعت
دیگر احکام الٰہی کی طرف راغب کیا مگر افسوس ہم اکیسو
صدی میں جانے کی کوشش کررہے ہیں مگر ہمارے سا
کوئی بھی مقصدِ حیات نہیں۔

ایک طرف ہم مسلمان ہونے کا دعوی کرتے
مگر دوسری طرف یہودیوں، عیسائیوں کے مرہونِ م
بھی ہیں اپنے گھر میں سب کچھ ہونے کے باوجو
غیروں کے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ کب ی
امداد آتی ہے خود انحصاری کی باتیں صرف اور ص
اشتہاروں تک محدود ہوکر رہ گئی ہیں۔سامراجی طا
ہماری غیرت کو للکار رہی ہیں مگر ہم اپنے حال میں مس
کر ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی کررہے ہیں
ملعون رشدی جیسے لوگ ہماری عزت مذہبی کو للکار رہ
مگر ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

آج فرقہ بندی اور گروہ بندی عروج پر ہے
آدمی پریشان ہے۔مگر افسوس ہم نے اسلام کو خیر آبا
اپنے آپ کو فرقہ بندی کا مرہونِ منت کرلیا ہے۔آ
وقت ہے کہ ہم اپنے گریبانوں میں نظر ماریں کہ ہم
تک صحیح راستے پر جارہے ہیں۔مگر ہم اپنے گریبا
بجائے دوسرے لوگوں کے گریبانوں کے اندر جھا
کوشش کررہے ہیں جو کہ بے سود ہے۔کرپشن ا
ایمانی ہمارے خون میں حلاوت کرچکی ہے اور کرپش
گناہ ہی نہیں سمجھتے۔بے حیائی کا دور دورہ ہے۔ہم
سے متاثر نظر آنے کی کوشش کررہے ہیں اور اپنے
روز مغربی طرز پر گزارنے کی کوشش میں مصروف ہ

ﺮب کی تعلیم مخلوط جنسی بے راہ روی کے بعد خود مغرب ی مجبور ہوگیا ہے اس کے باوجود ہم اسی کی اندھی تقلید کر ے نظر آتے ہیں۔ ہمارا اصل سرمایا حیات جو کہ صرف اور رف قرآن وسنت ہے ہم نے چھوڑ دیا ہے اور ہمارے ام شعائر غیر مسلموں نے اختیار کر لئے اس کے باوجود ھی بھی ہم نے سوچا تک نہیں کہ ہماری اصل میراث کیا ہے۔ مغرب زدہ لوگوں نے ہمیں سندھی ، پنجابی لوچی، پٹھان، مہاجر اور سرائیکی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ر ہم خود بخود تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے۔ جبکہ دنیا میں ن وسکون اسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب تک انسان اپنے ے بالاتر کسی اعلیٰ اقتدار کو تسلیم نہ کرے اور جب تک اسے ین نہ ہو کہ مجھ سے اوپر بھی کوئی ایسی طاقت ہے جس کو یں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور جس کے ہاتھ میں ی طاقت ہے کہ وہ ہمیں سزا دے سکتا ہے اس وقت تک یسے ممکن ہے کہ ظلم کا دروازہ بند ہو اور صحیح امن قائم ہو سکے ب تک عدل وانصاف سب کے لئے برابر نہ ہوگا اس ت تک دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔

مگر ہمارے ہاں عجیب اصول ہے کہ جس کی ردن میں پھندا پورا ہو اسے پھانسی دے دی جاتی ہے ر اصل مجرم صاف بچ جاتا ہے معاشرتی برائی ہزار قسم کے زید جرائم کو جنم دیتی ہے۔ آج ہم نے ایٹمی طاقت حاصل ر لی اور سائنس کی ترقی پر خوش ہیں فضاؤں کو مسخر کر لیا دید آلات کے ذریعے سے پوری دنیا سے رابطہ کر لیا۔ مگر ارے عظیم رہنما اس کام کو صدیاں پہلے سرانجام دے چکے ں آخر وہ کونسا جذبہ تھا جس نے لوگوں کو رضا کارانہ طور پر یٹ پر پتھر باندھنے پر مجبور کیا۔ اپنے اہل وعیال کو خیر آباد ہنے پر مجبور کیا مگر ہم پر اگر تھوڑی سی بھی تکلیف آتی ہے تو م آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں یہ صرف اس لئے کہ ہم میں ذرا سی بھی ایمان کی رتی باقی نہیں ہے۔

ہمارا مذہب اس لئے بے جان نظر آتا ہے کہ تخیل کی عظمت اور مقصد کے عشق سے ہمارا تعلق ٹوٹ چکا ہے اسی لئے نماز، روزہ اور دیگر فرائض دین کی پابندی ہمارے لئے لذت وحلاوت سے خالی ہے۔ ہمارا موجودہ مذہب وہ مذہب نہیں ہے جسے عہد رسالت کے مسلمانوں نے قبول کیا تھا اور جس پر انھوں نے اپنی زندگی کی بنیادیں استوار کی تھیں۔ وہ ایک جاندار اور مکمل انقلاب انگیز اور نظام فکر وعمل تھا۔ جس میں ایثار وقربانی کی ایک دنیا آباد تھی اور جس میں محض افراد کی شخصی نجات کا نہیں بلکہ عالمِ انسانیت کی نجات کا تصور اور جذبہ کارفرما تھا اور لوگ ایک نظام تمدن اور طرز زندگی کے داعی تھے لیکن ایک عالمگیر نصب العین کے نمائندے تھے اور عالمگیر مقصد کے علم بردار تھے۔

لیکن کیا آج وہی حالات ہیں؟ کیا وہ نظام حکومت اور وہ ملکی قانون جس کے تحت ہم زندگی بسر کر رہے ہیں شریعت سے کوئی دور کی نسبت بھی رکھتا ہے؟ کیا ہمارے آج کے معاشرتی معیارات اور اخلاقی اقدار میں روحِ اسلام کا ہلکا سا عکس بھی رہ گیا ہے؟ کیا اسلامی تمدن کی ایک معمولی سی بھی جھلک ہمارے معاشرے میں نظر آتی ہے؟ اسلامی نظام کے دل میں صرف روح کی تازگی ہی کم نہیں ہوئی بلکہ خود ہمارے دل بھی مسخ ہو چکے ہیں اس لئے جب ! سلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت سے دنیا پر غالب کرنے کا نام لیا جاتا ہے اور اس کی طرف سے دعوت دی جاتی ہے تو چند نام نہاد علماء سو پھر قوم کو بہلا پھسلا کر دوبارہ لوگوں کا ذہنی شیرازہ بکھیر دیتے ہیں اور لوگوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تا کہ مسلمانوں کے اندر اصل اسلامی روح دوبارہ بیدار نہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر اصل روح بیدار ہوگئی تو پھر ان لوگوں کا سیاسی طور پر حاصل کردہ مقام چھن جائے گا اسی لئے ان لوگوں کی کوشش ہے کہ عوام کے اندر سیاسی اور اسلامی شعور پیدا نہ ہو۔ لیکن جب تک لوگوں میں اسلامی شعور بیدار نہ ہوگا اس وقت تک ہمارے مسائل حل نہ ہو سکیں گے کیونکہ اسلام میں امیر اور غریب کے درمیان کوئی تفریق نہ ہے جب یہ تفریق ختم ہو جائے گی تو خود ساختہ تعمیر کردہ ذہنی عمارتیں گر جانے کا خطرہ ہے۔

ان تمام مسائل کا حل صرف اور صرف قانونِ قدرت میں ہے۔ ہمارے دکھوں کا علاج صرف یہ ہے کہ اپنے دلوں میں ایمان کا چراغ روشن کیا جائے ہمارے دکھوں کا علاج نا تو اقوام متحدہ کے پاس ہے اور نہ ہی دیگر ممالک کے اجلاس بلانے پر اور نہ ہی سیاسی پارٹیوں کے پاس اور نہ ہی لیڈروں کے پاس اب صرف ایک ہی علاج ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علم کے نیچے اکٹھے ہو جائیں اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اب بھی وقت ہے کہ ہم سرمایا داروں کے در کو چھوڑ کر اپنے اصل سرمائے کو حاصل کریں تا کہ ہم سرخرو ہو کر نئی صدی میں بحیثیت مسلمان داخل ہو سکے اور دنیائے کفر کے اندر ہمارے نام کا چرچا ہو سکے کیونکہ ظالم سرمایا دار اور یہودی ساہوکاروں نے جو لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا ہے اسے ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے اس کی نگاہ ہماری تجوریوں پر ہے انسانوں کی مجبوری پر نہیں۔ دنیا میں امن وسکون اسی لئے رخصت ہو گیا ہے اور آئے دن ہم پر مصیبتیں اس لئے نازل ہو رہی ہیں کیونکہ قومیں قوموں سے ٹکرا رہی ہیں ہر ملک میں خانہ جنگی ہو رہی ہے انسان انسان کے لئے بھیڑیا بن گیا ہے